

امام حسین (ع) کا اپنی شہادت کے بارے میں آگاہ ہونا

<?xml encoding="UTF-8">

سوال : کیا حضرت سید الشهداء علیہ السلام مکہ سے کوفہ کی طرف اپنے سفر میں آگاہ تھے کہ وہ شہید ہو جائیں گے؟ دوسرے الفاظ میں، کیا حضرت امام حسین علیہ السلام شہادت کی غرض سے عراق کی طرف روانہ ہوئے تھے یا سو فیصدی ایک عادلانہ اسلامی حکومت تشکیل دینے کی غرض سے؟

جواب: شیعہ امامیہ کے عقیدے کے مطابق حضرت سید الشهداء، واجب الاطاعت امام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیسرے جانشین، ولایت کلیہ کے مالک تھے۔ دلائل نقلی اور عقلی استدلال کے مطابق خارجی حقائق، حوادث اور واقعات کے بارے میں علم امام کے مندرجہ ذیل دو قسم اور دورا ہیں :

امام علیہ السلام عالم ہستی کے حقائق کے بارے میں ہر قسم کے شرائط میں اذن الہی سے آگاہ ہیں، خواہ یہ حقائق اور حوادث حسی ہوں یا غیر حسی، جیسے: آسمانی مخلوقات، گزرے ہوئے حوادث اور مستقبل کے واقعات، اس مطلب کی دلیل روایات کے مطابق متواتر ہے کہ شیعوں کی حدیث کی کتابوں جیسے کافی، بصائر، صدوق کی کتابوں اور کتاب بحار وغیرہ میں درج ہیں۔ ان روایات کے مطابق "جن کی کوئی حد نہیں" امام علیہ السلام خدا کی عنایت سے سب چیزوں کے بارے میں آگاہ ہیں نہ اکتساب سے۔ اور جس چیز کو چاہیں اسے خدا کے اذن سے تھوڑی سی توجہ کے نتیجہ میں جانتے ہیں۔

البتہ قرآن مجید میں چند آیتیں ہیں، جو علم غیب کو خدائے متعال سے مخصوص اور اس کی مقدس ذات میں منحصر قرار دیتی ہیں، لیکن جو استثناء آیہ کریمہ :

(عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احداً۔ الا من ارتضیٰ من رسول...) (جن/۲۶-۲۷)

"وہ عالم الغیب ہے اور اپنے غیب پر کسی کو بھی مطلع نہیں کرتا، مگر جس رسول کو پسند کر لے۔" میں موجود ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم غیب کا خدائے متعال سے مخصوص ہونا اس معنی میں ہے کہ غیب کو آزادی کے ساتھ بذات خود، خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے۔ لیکن ممکن ہے پسندیدہ پیغمبر خدائے متعال کی تعلیم سے اسے جان لیں اور ممکن ہے دوسرے پسندیدہ اشخاص بھی پیغمبروں کی تعلیم سے اسے جان لیں۔ چنانچہ بہت ساری ان روایتوں میں نقل ہوا ہے کہ پیغمبر نیز ہر امام اپنی زندگی کے آخری لمحات میں علم امامت کو اپنے بعد والے امام کے حوالہ کرتے تھے۔

اور عقلی بعض استدلال موجود ہیں جن کے مطابق امام علیہ السلام اپنے نورانی مقام کے توسط سے اپنے زمانہ کے کامل ترین انسان اور خدا کے اسماء و صفات کے مکمل مظہر اور دنیا کی تمام چیزوں اور ہر شخصی واقعہ کے بارے میں واقف ہیں اور اپنے وجود عنصری کے مطابق ہر جہت میں توجہ کریں، توان کے لئے حقائق روشن ہو تے ہیں۔ (ہم ان استدلالوں کی تفسیر کو اپنی خاص جگہ پر چھوڑتے ہیں، کیونکہ یہ پیچیدہ استدلالی مسائل کا ایک سلسلہ ہے اور ان کی سطح اس مقالہ سے بلند تر ہے)

جس نقطہ کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ اس قسم کا علم عطیہ الہی ہے اور عقلی و نقلی دلائل کے موجب "جو اسے ثابت کرتے ہیں" ہر قسم کی خلاف ورزی سے منزہ اور ناقابل تغیر ہے اور اس میں ایک

ذّرہ بھی خطا نہیں ہو تی اور اصطلاح میں جو کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہے اس کا علم ہے ،اور جو کچھ خدائے متعال کی حتمی قضا ہے اس کی آگاہی ہے ۔

اور اس مطلب کا لازمہ یہ ہے کہ اس قسم کے علم سے کسی طرح کی تکلیف اور فریضہ تعلق نہیں رکھتا (اس جہت سے کہ اس قسم کے علم سے متعلّق ہے اور قطعی واقع ہونے والا ہے) اور اسی طرح انسان کا قصد اور تقاضا اس کے ساتھ رابطہ پیدا نہیں کرتا کیونکہ تکلیف ہمیشہ امکان کی راہ سے فعل سے متعلق ہے اور اس جہت سے کہ فعل اور اس کا ترک دونوں مکلف کے اختیار میں ہیں ،فعل یا ترک مطلوب ہوتا ہے ،لیکن ضروری الوقوع اور حتمی قضاء کی جہت سے اس کا حتمی ہو نا مورد تکلیف قرار پانا کمال ہے ،مثلاً یہ صحیح ہے کہ خدا اپنے بندہ سے فرمائے فلاں کام ،جس کا انجام دینا یا ترک کر نا تیرے لئے ممکن ہے اور تیرے اختیار میں ہے ،اسے انجام دیدو لیکن محال ہے کہ خدا یہ فرمائے کہ فلاں کام جو میری مشیت تکوینی اور حتمی قضا ہے ،بیشک تحقق پائے گا اور اس میں کسی قسم کا پس وپیش نہیں ہو گا ،اسے انجام دو یا نہ دو ،کیونکہ اس قسم کا امر و نہی ،لغو اور بے معنی ہے ۔

اسی طرح انسان ایک ایسے امر کے بارے میں ارادہ کرکے اپنے لئے مقصد اور ہدف قرار دے سکتا ہے اور اس کے تحقق کے لئے جستجو کر سکتا ہے جس میں ہونے یا نہ ہونے کا امکان موجود ہو ،لیکن ہر گز ایک ایسے امر کے بارے میں ارادہ کر کے اسے اپنا مقصد قرار نہیں دے سکتا ہے ،جو یقین (ناقابل تغیر و خلاف ورزی)اور حتمی قضا کے طور پر ہونے والا ہو ،کیونکہ جو امر بہر حال ہونے والا ہو اس میں انسان کا ارادہ وعدم ارادہ اور قصد وعدم قصد کسی قسم کا اثر نہیں رکھتا ہے کیونکہ یہ ہونے والا ہوتا ہے (توجہ کی جائے!) اس بیان سے واضح ہوتا ہے :

۱۔ امام علیہ السلام کو عطیہ کے طور پر عطا کیا گیا یہ علم ان کے اعمال میں کوئی اثر نہیں رکھتا ہے اور ان کی خاص تکلیف سے اس کا کوئی ربط نہیں ہوتا ہے ۔ اور اصولی طور پر ہر فرض کیا گیا امر جو قضائے حتمی اور حتمی الوقوع سے متعلق ہو ،وہ انسان کے امر و نہی یا قصد و ارادہ سے متعلق نہیں ہوتا ہے ۔ جی ہاں !قضائے حتمی اور خدائے متعال کی قطعی مشیت سے متعلق امور رضابہ قضا سے مربوط ہیں ،چنانچہ سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام اپنی زندگی کے آخری لمحات میں ،خاک و خون میں لت پت ہو کر فرماتے تھے :

"رضا بقضائک و تسلیم لأمرك لا معبود سواک" (۱)

اسی طرح مکہ سے خارج ہوتے ہوئے اپنے خطبہ میں فرمایا :

"رضا اللہ رضانا اهل البيت" (۲)

ہم اہل بیت کی رضایت اللہ تعالیٰ کی رضایت ہے

۲۔ انسان کے فعل کا قضائے الہی سے متعلق ہونے کے لحاظ سے حتمی ہونا اس کے اختیاری فعالیت کی نظر میں اس کے صاحب اختیار ہونے سے منافی نہیں ہے ،کیونکہ قضائے الہی فعل کی تمام کیفیتوں کے باوجود اس سے تعلق پیدا کر چکی ہے نہ مطلق فعل سے ،مثلاً خدائے متعال نے چاہا ہے کہ انسان فلاں اختیاری فعل کو اپنے اختیار سے انجام دے اور اس صورت میں اس فعل اختیاری کا خارج میں واقع ہو نا ،اس جہت سے کہ خدا کی مرضی سے متعلق ہے ،حتمی اور ناقابل اجتناب ہے اور اسی حالت میں اختیاری بھی ہے اور انسان سے نسبت امکانی صفت رکھتا ہے ۔(قابل توجہ!)

۳۔ یہ کہ امام علیہ السلام کے ظاہری علل و اسباب سے قابل تطبیق ظاہری اعمال کو اس عطا شدہ علم کے فقدان

کی دلیل اور واقعات کے بارے میں جہل کا گواہ قرار نہیں دینا چاہئے، جیسے کہ کہا جائے: اگر سیدالشہداء علیہ السلام حادثہ کے بارے میں آگاہ تھے تو آپ نے کیوں حضرت مسلم کو کو فہ بھیجا؟ صیداوی کے توسط سے اہل کوفہ کو کیوں خط لکھا؟ کیوں خود مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے؟ آپ نے کیوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا؟ جبکہ خدا فرماتا ہے:

(...ولاتلقوا بأیدیکم الی التہلکة...) (بقرہ/۱۹۵)

"...اپنے نفس کو ہلاکت میں نہ ڈالو..."

کیوں؟ کیوں؟..

ان تمام سوالات کا جواب ہمارے بیان کئے گئے مذکورہ نکتہ کے پیش نظر واضح ہے اور اس کی تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

قرآن مجید کی نص کے مطابق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسی طرح (آپ کی پاک عترت سے) امام علیہ السلام دیگر افراد بشر کے مانند بشر ہیں اور اپنی زندگی کی راہ میں جو اعمال انجام دیتے ہیں وہ دوسرے لوگوں کی طرح اختیاری اور عادی علم کی بنیاد پر ہو تے ہیں۔ امام علیہ السلام بھی دوسروں کی طرح کام کے خیر و شر سے اور نفع و نقصان کو عادی علم سے تشخیص دے کر، جس کام کو انجام دینے کے لائق اور شائستہ جانتے ہیں، اس کا ارادہ کر کے اس پر عمل کرنے کی جستجو کرتے ہیں جہاں پر علل و عوامل اور خارجی حالات موافق ہوں مقصد تک پہنچتے ہیں اور جہاں پر اسباب اور شرائط موافق نہ ہوں آگے نہیں بڑھتے۔ (یہ کہ امام علیہ السلام خدا کے اذن سے تمام حوادث کے جزئیات "گزشتہ اور آئندہ" کے بارے میں واقف ہیں ان کے اختیاری اعمال پر کسی قسم کا اثر نہیں ڈالتے، جیسا کہ بیان ہوا)

امام علیہ السلام بھی دوسرے تمام انسانوں کی طرح بندۂ خدا ہیں اور دینی تکالیف و قوانین کے پابند ہیں اور خدا کی طرف سے رکھنے والی سرپرستی اور پیشوائی کے لحاظ سے عام انسانی معیاروں کے مطابق انہیں اعمال کو انجام دینا چاہئے اور کلمۂ حق اور دین کو احیاء کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کرنا چاہیے۔ اس زمانہ کی اجمالی حالت کا ایک سرسری جائزہ لینے کے بعد حضرت سیدالشہداء علیہ السلام کے مقصد کے بارے میں فیصلہ کو سمجھا جا سکتا ہے۔

تاریخ اسلام میں خاندان رسالت اور ان کے شیعوں پر جو تاریک ترین ایام گزرے وہ معاویہ کی بیس سالہ حکومت کا دور تھا۔

معاویہ نے خلافت اسلامیہ کو ہر نیرنگ سے اپنے قبضہ میں لے لیا اور وسیع اسلامی مملکت کا بے قید و شرط فرماں روا بن گیا۔ اس نے اپنی تمام حیرت انگیز توانائیوں کو اپنی حکومت کو استحکام بخشنے اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کو نابود کرنے میں صرف کیا، نہ صرف یہ کہ انہیں نابود کرے بلکہ وہ چاہتا تھا لوگوں کی زبانوں اور دلوں سے ان کے نام و نشان تک کو محو کر دے۔

اس نے لوگوں کی نظروں میں محترم اور قابل اعتماد چند اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر قیمت پر اپنا حامی بنا کر ان کے ذریعہ صحابیوں کے حق میں اور اہل بیت علیہم السلام کی مخالفت میں احادیث جعل کرائیں۔ اس کے حکم سے اسلامی مملکت کے تمام شہروں کے منبروں سے امیر المومنین حضرت علی علیہ

السلام پر (ایک دینی فریضہ کے مانند) لعنت بھیجی جاتی تھی۔

وہ اپنے آلہ کار اور جاسوسوں، جیسے زیاد بن ابیہ، سمرۃ بن جندب، بسر بن ارطاة وغیرہ کے ذریعہ محبان اہل بیت کا ہر جگہ سراغ لگا کر انہیں نابود کرتا تھا اور اس راہ میں زر، زور، لالچ، ترغیب اور ڈرانے دھمکانے کی توانائیوں سے آخری حد تک استفادہ کرتا تھا۔

ایسے ماحول میں قدرتی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عام لوگ حضرت علی علیہ السلام اور ان کی اولاد کا زبان پر نام لینے سے نفرت کریں، اور جو لوگ اہل بیت علیہم السلام کی دوستی کا شائبہ تک دل میں رکھتے ہوں اپنی جان، مال اور آبرو پر آج آنے کے خوف سے اہل بیت علیہم السلام سے اپنا رابطہ منقطع کریں۔

حقیقت حال کو یہاں سے پایا جاسکتا ہے کہ سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی امامت کی مدت تقریباً دس سال جاری رہی اور یہ پوری مدت (آخری کے چند ماہ کے علاوہ) معاویہ کی معاصر تھی۔ باوجود اس کے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام وقت کے امام اور تمام فقہ اسلامی میں معارف و احکام دین بیان کرنے والے تھے۔ لیکن اس پوری مدت میں آپ سے ایک حدیث بھی نقل نہیں کی گئی ہے۔ (اس کا مقصود وہ روایت ہے جسے لوگوں نے حضرت سے نقل کی ہو، نہ وہ روایت جو حضرت کے خاندان کے اندر حضرت سے بعد والے ائمہ تک پہنچی ہو) اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں اہل بیت اطہار علیہم السلام کے گھر کا دروازہ بالکل بند کر دیا گیا تھا اور اس گھرانے سے لوگوں کی رفت و آمد نہ ہونے کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ روز افزون گھٹن اور دباؤ کے بادل اسلامی ماحول پر ایسے چھائے تھے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کے خلاف جنگ جاری رکھنے یا اس کے خلاف انقلاب کرنے کی اجازت نہیں دی، اور اس کا کم ترین فائدہ بھی نہیں تھا اور کوئی آپ کا ساتھ نہیں دیتا تھا۔

دوسرے یہ کہ: معاویہ نے اپنے آپ کو لوگوں میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک بڑے صحابی، کاتب وحی اور خلفائے راشدین میں سے تین افراد کے موردا اعتماد اور دست راست کے عنوان سے پہنچنویا تھا اور "خال المومنین" جیسے مقدس لقب کو اپنے آپ سے منسوب کر چکا تھا۔

تیسرے یہ کہ: اپنے مخصوص نیرنگ سے آسانی کے ساتھ اپنے کسی کارندہ کے ہاتھوں امام حسن علیہ السلام کو قتل کرا سکتا تھا اور اس کے بعد آپ کی خونخواہی کا پر چم بلند کر کے آپ کے قاتلوں سے انتقام لے کر آپ کے لئے مجلس عزا بھی منعقد کر سکتا تھا اور آپ کا عزادار بھی بن سکتا تھا!

معاویہ نے امام حسن علیہ السلام کی زندگی کے حالات یہاں تک پہنچائے تھے کہ آپ کسی صورت میں، حتیٰ اپنے گھر کے اندر محفوظ نہیں تھے، بالآخر (جب لوگوں سے یزید کے لئے بیعت لینا چاہتا تھا) حضرت کو آپ کی بیوی کے ہاتھوں زہر دلا کر شہید کرایا۔

وہی امام حسین علیہ السلام، جس نے معاویہ کے مرنے کے بعد فوری طور پر یزید کے خلاف انقلاب کیا برپا اور خود اور اپنے ساتھیوں، حتیٰ اپنے شیر خوار فرزند کو بھی اس راہ میں قربان کیا، معاویہ کے زمانہ میں اپنی امامت کی پوری مدت کے دوران یہ قربانی پیش کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے، کیونکہ معاویہ کے ظاہر اُحق بجا نب نیرنگوں کے مقابلہ میں آپ کی شہادت کسی قسم کا اثر نہیں رکھتی۔

یہ تھا ان ناخوشگوار حالات کا ایک خلاصہ جسے معاویہ نے اسلامی ماحول میں پیدا کر کے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا دروازہ بالکل بند کر دیا تھا اور اس طرح اہل بیت اطہار علیہم السلام کو ہر قسم کے اثر و رسوخ سے محروم کر کے رکھ دیا تھا۔

آخری، کاری ضرب جو اس نے اسلام و مسلمین کے پیکر پر لگائی، وہ یہ تھی کہ اس نے خلافت اسلامیہ کو ظالمانہ

اور موروثی سلطنت میں تبدیل کیا اور اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین مقرر کیا، جبکہ یزید کسی قسم کی دینی شخصیت (حتی ظاہر میبھی) کا مالک نہیں تھا اور ہمیشہ علنی طور پر موسیقی، شراب نوشی اور بندر کے ساتھ کھیلنے میں وقت گزارتا تھا اور دینی قوانین کا کسی قسم کا احترام نہیں کرتا تھا، اور ان سب کے علاوہ دین پر اعتقاد نہیں رکھتا تھا، چنانچہ جب اہل بیت علیہم السلام کے اسیروں اور کربلا کے شہیدوں کے سروں کو دمشق میں داخل کر رہے تھے، یزید ان کے تماشا کے لئے باہر آیا تھا، ایک کوئے کی آواز اس کے کان میں پہنچی اور اس نے کہا :

نعب الغراب قل او لا تقل

فقد اقتضیت من الرسول دیونی (۳)

کوئے نے آواز دی تم کہو یا نہ کہو یقیناً میں نے (آل) رسول سے اپنے قرضے پورے کر لئے۔

اور اسی طرح جب اہل بیت علیہم السلام کے اسیروں اور حضرت سید الشهداء کے سر اقدس کو اس کے سامنے لایا گیا تو اس نے کچھ اشعار کہے اور ان اشعار میں سے ایک یہ تھا:

لعبت ہاشم بالملک فلا خبر جاء ولا وحي نزل

بنی ہاشم نے ملک حاصل کرنے کے لئے ایک کھیل کھیلا تھا نہ کوئی فرشتہ ان کے پاس آیاتہانہ وحی نازل ہوئی تھی۔ یزید کی حکمرانی، جو معاویہ کی سیاست کو جاری رکھنے کی پالیسی پر مبنی تھی، اسلام اور مسلمین کی تکلیف کو واضح کرتی تھی اور اہل بیت رسول علیہم السلام کے مسلمانوں اور شیعوں سے رابطہ کی حالت (جسے مکمل طور پر فراموش کرنا تھا) کو عیاں کرتی تھی۔

ایسے شرائط میں اہل بیت علیہم السلام کی نابودی قطعی بنانے اور حق و حقیقت کی بنیادوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا انتہا وسیلہ اور موثر ترین عامل یہ تھا کہ سید الشهداء حضرت امام حسین علیہ السلام یزید کی بیعت کریں اور اسے خلیفہ اور پیغمبر اسلام کا واجب الاطاعت جانشین مان لیں۔

حضرت سید الشهداء علیہ السلام حقیقی پیشوا اور قیادت کے مالک ہونے کے پیش نظر ہر گز یزید کی بیعت نہیں کر سکتے تھے اور دین اسلام کو پائمال کرنے کے لئے ایسا موثر قدم نہیں اٹھا سکتے تھے، لہذا امام علیہ السلام کے لئے بیعت سے انکار کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں تھا اور خدائے متعال بھی اس کے علاوہ کوئی چیز آپ سے نہیں چاہتا تھا۔

دوسری طرف سے بیعت کا انکار تلخ اور ناخوشگوار نتائج رکھتا تھا، کیونکہ وقت کی خطرناک اور مخالفت کو برداشت نہ کرنے والی حکومت اپنی پوری طاقت اور ہستی سے بیعت کا مطالبہ کرتی تھی (بیعت سرچاہتی تھی) اور اس کے علاوہ کسی بھی چیز پر تیار نہیں تھی اس لحاظ سے، بیعت سے انکار کرنے کی صورت میں امام علیہ السلام کا قتل ہو نا قطعی اور انکار بیعت کا اٹوٹ لازمہ تھا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اسلام و مسلمین کی مصلحت کے پیش نظر بیعت سے انکار کرنے اور قتل ہونے کا قطعی فیصلہ کیا اور کسی خوف کے بغیر موت کو زندگی پر ترجیح دی اور مشیت الہی بھی آپ کا بیعت سے انکار اور شہید ہونا تھا۔ (اور یہ ہے اس امر کا معنی جو بعض روایتوں میں نقل ہوا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں آپ سے فرمایا تھا: "خدا تجھے قتل ہوتے دیکھنا چاہتا ہے" اور حضرت نے بھی اس تحریک سے منع کرنے والے بعض افراد کو فرمایا تھا: "خدا مجھے قتل ہوتے دیکھنا چاہتا ہے" اور بہر صورت اس کا مقصود، مشیت تشریعی ہے نہ مشیت تکوینی، کیونکہ ہم نے اس سے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ خدا کی تکوینی

مشیت ارادہ اور فعل میں کوئی اثر نہیں کرتی)

جی ہاں ! امام حسین علیہ السلام نے بیعت کا انکار اور (نتیجہ کے طور پر) اپنے قتل ہونے کا فیصلہ کیا اور موت کو زندگی پر ترجیح دی اور حوادث کے رونما ہونے سے حضرت کا صحیح نظریہ ثابت ہو گیا ، کیونکہ اس دل خراش حالت میں آپ کی شہادت نے اہل بیت علیہم السلام کی مظلومیت اور حقانیت کو ثابت کر دیا ۔ آپ کی شہادت کے بعد بارہ سال تک تحریکوں اور خونریزیوں کا سلسلہ جاری رہا اور اس کے بعد وہی گھر، جس کے دروازہ کو حضرت کے زمانہ میں کوئی نہیں پہچانتا تھا ، پانچویں امام کے زمانہ میں رونما ہوئے مختصر آرام کے نتیجہ میں اطراف واکناف سے شیعہ سیلاب کے مانند اسی حقانیت و نورانیت کے دروازہ کی طرف دوڑ پڑے اور اس حقانیت اور نورانیت کی چمک دمک کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلانے کا سبب بنے۔ اس حقانیت کی مستحکم بنیاد اہل بیت علیہم السلام کی مظلومیت ہے اور اس میدان کے پیش رو سید الشهداء حضرت امام حسین علیہ السلام تھے ۔ آج، امام حسین علیہ السلام کے زمانہ میں خاندان رسالت کی حالت اور لوگوں کی ان کی طرف توجہ کا، آپ کی شہادت کے بعد چودہ صدیوں کے دوران رونما ہوئے حالات کا موازنہ (جو روز بروز تازہ اور عمیق تر ہو رہے ہیں) کرنے پر حضرت کا صحیح نظریہ اظہر من الشمس ہو رہا ہے اور اس سلسلہ میں حضرت نے بعض روایات کے مطابق جو شعر انشاء فرمایا ہے وہ اسی معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے :-

وما ن طینا جبن ولکن

منایا نا و دولت آخرینا

بزدلی اور خوف ہماری طبیعت میں شامل نہیں بلکہ ایسا ہے کہ ہمیں اس دنیا سے جانا چاہیے تاکہ دوسروں کی حکومت پا بربا ہو۔

اسی لئے معاویہ نے یزید کو تاکید کی تھی کہ اگر حسین ابن علی علیہ السلام اس کی بیعت کرنے سے اجتناب کریں تو انہیں اپنے حال پر چھوڑنا اور کسی قسم کی مداخلت نہ کرنا معاویہ یہ وصیت اخلاص اور محبت کی بنا پر نہیں کر رہا تھا ، بلکہ وہ جانتا تھا کہ حسین ابن علی علیہ السلام بیعت کرنے والے نہیں ہیں اور اگر وہ یزید کے ہاتھوں قتل ہو جائیں تو اہل بیت علیہم السلام پر مظلومیت کا نشان لگ جائے گا اور یہ اموی سلطنت کے لئے خطر ناک اور اہل بیت علیہم السلام کے لئے تبلیغ اور پیش رفت کا بہترین وسیلہ ہو گا ۔

سید الشهداء حضرت امام حسین علیہ السلام ، بیعت سے انکار کرنے کے لئے اپنے الہی فریضہ سے آگاہ تھے اور بنی امیہ کی بے حد اور ناقابل مزاحمت قدرت اور یزید کی ذہنیت کے بارے میں سب سے بہتر آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ بیعت سے انکار کا اٹوٹ لازمہ ، ان کا قتل ہونا ہے اور فریضہ الہی کی انجام دہی کا نتیجہ شہادت ہے ۔ اس معنی کے بارے میں مختلف مقامات پر گوناگوں تعبیرات سے انکشاف فرماتے تھے ۔

مدینہ کے گورنر کی مجلس میں جب آپ سے بیعت کا مطالبہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا : " مجھ جیسا یزید جیسے کی بیعت نہیں کرتا ۔ "

مدینہ منورہ سے رات کی تاریکی میں نکلتے وقت اپنے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا کہ خواب میں آپ سے فرمایا : "خدا نے چاہا ہے (یعنی تکلیف کے عنوان سے) قتل ہو جاؤ گے "

مکہ سے عزیمت کے وقت کی گئی اپنی تقریر کے دوران کچھ لوگوں کی طرف سے آپ کو عراق کی طرف عزیمت سے منصرف ہونے کی تجویز کے جواب میں بھی مکرر یہی مطلب بیان فرمایا ۔

راستہ میں ایک شخصیت نے حضرت کو کوفہ جانے کے اپنے ارادہ سے منصرف ہونے پر اصرار کیا اور کہا کہ منصرف نہ ہونے کی صورت میں حتماً قتل کئے جاؤ گے ، آپ نے جواب میں فرمایا : "یہ حقیقت مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے

لیکن یہ لوگ مجھ کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور جہاں بھی جاؤں اور جہاں پر رہوں مجھے مار ڈالیں گے" (اگر چہ ان میں سے بعض روایتیں قابل تردید یاسند کے لحاظ سے ضعیف ہیں لیکن وقت کے حالات اور قضایا کا تجزیہ وتحلیل ان کی مکمل طور پر تائید کرتے ہیں)

البتہ ہم جو کہتے ہیں کہ "اپنے انقلاب سے امام علیہ السلام کا مقصد شہادت تھا اور خدائے متعال آپ کی شہادت چاہتا تھا" اس کا مطلب یہ نہیں کہ خدانے آپ سے چاہا تھا کہ یزید کی بیعت سے انکار کریں اور اس کے بعد ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ کر یزید کے کارندوں کو اطلاع دے کہ آکر انہیں قتل کر ڈالیں اور اس مضحکہ خیز طریقہ سے اپنا فریضہ انجام دیں اور اسے انقلاب کا نام رکھیں، بلکہ امام کا فریضہ یہ تھا کہ یزید کی منحوس خلافت کے خلاف انقلاب قائم کریں، اس کی بیعت سے انکار کریں اور اپنے اس انکار کو ہر ممکن راہ سے آخر تک پہنچائیں جو شہادت پر منتہی ہو گی۔

یہاں پر ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ اپنے قیام کے دوران بدلتے حالات کے مطابق امام کی روش مختلف تھی۔ ابتدائی مرحلہ میں جب مدینہ کے گورنر کے دباؤ میں قرار پائے تو مدینہ سے حرکت کی اور مکہ حرم خدا اور جائے امن میں پناہ لی اور مکہ میں کئی مہینے تک پناہ گزینی کی زندگی گزاری، آپ مکہ میں خلافت کے مامور و ناویر جاسوسوں کے تحت نظر تھے یہاں تک فیصلہ لیا گیا کہ موسم حج میں ایک گروہ کے ذریعہ قتل کئے جائیں یا پکڑ کر شام بھیج دئے جائیں اور دوسری طرف عراق سے حضرت کے نام خطوط کا ایک بڑا سلسلہ آنے لگا اور سیکڑوں اور ہزاروں خطوط میں آپ سے حمایت کا وعدہ دے کر عراق آنے کی دعوت دی گئی۔ جب اہل کوفہ کی طرف سے آخری خط بعنوان اتمام حجت (جیسا کہ بعض مورخین نے لکھا ہے پہنچا، تو حضرت نے روانہ ہوئے اور خونین انقلاب کا فیصلہ لیا۔ اول اتمام حجت کے طور پر اپنے نمائندہ حضرت مسلم ابن عقیل کو بھیجا۔ کچھ مدت کے بعد حضرت مسلم کی طرف سے انقلاب کے لئے حالات مناسب ہوئے کا خط ملا۔

امام علیہ السلام نے مذکورہ دو عوامل، یعنی شام کے جاسوسوں کے آپ کو قتل کرنے یا پکڑنے کے لئے مکہ میں داخل ہونے کے پیش نظر، خانہ خدا کے احترام کے تحفظ اور عراقیوں کے انقلاب کے لئے آمادہ ہونے کی وجہ سے کوفہ کی طرف عزیمت فرمائی۔ اس کے بعد جب راستہ میں مسلم اور ہانی کے بے دردی سے قتل کئے جانے کی خبر ملی تو حضرت نے اپنے انقلاب اور جنگ کو دفاعی انقلاب میں تبدیل فرمایا اور اپنے ساتھیوں کی چھان بین کرنے لگے اور صرف ان افراد کو اپنے ساتھ رکھا جو اپنے خون کے آخری قطرہ تک وفا کرنے اور پیچھے نہ ہٹنے پر آمادہ تھے۔ (۲)

۱۔ معالی السبطین ۲/۲۱ (مختصر فرق کے ساتھ)

۲۔ (لہوف/۲۶)

۳۔ تفسیر روح المعانی، آلوسی، ص ۶۶، بہ نقل تاریخ ابن الوردی کتاب وافی الوفیات

۴۔ مذکورہ بحث، چند سال پیش استاد علامہ طباطبائی کے توسط سے، ایک گروہ کے سوالات کے جواب کے طور پر لکھی گئی ہے۔